پہلی قسط

سرزمین اسپین کا ایک نامور عالم "ابو حیان"

ڈاکٹر شاہد اسلم قاسمی، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ

ابو حیان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان، آٹھویں صدی ہجری کے ان یگانۂ عصر یادگاروں میں ہیں جس پر زمانہ ہمیشہ فخر کرے گا۔ یہ بھی ان لوگوں میں ہیں جنہیں خاک یورپ نے مقدس ومبارک دین الٰہی اسلام کی خدمت کے لئے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا یہی ملک اسپین جو آٹھ صدیوں تک اسلامی شوکت ووقعت کا مبدا ومنتہا اور اہل کمال مسلمانوں کا مرجع بنا رہا۔ مجد اور تمام علمی تقریبوں کے لئے ابو حیان جیسے مایہ ناز عالم پر اسپین آج تک فخر کر رہا ہے۔ اسپین کا وہ دلفریب منظر اور اس کے وہ ——— سبز وشاداب سبزہ زار جن کی تعریف پہلی صدی ہجری میں موسیٰ بن نصیر نے دارالخلافہ دمشق میں لکھ کر بھیجی تھی۔ اس امر پر ناز کر رہے ہیں کہ ابو حیان نے ان کے دامن میں نشونما پائی۔

ولادت اور تحصیل علم:

۶۵۴ھ میں شوال کا سراپا عشرت اور مبارک مہینہ تھا کہ اندلسیہ عظمیٰ کے سراپا جبروت دارالخلافہ غرناطہ میں یہ استاذ فنون علمیہ پیدا ہوا والدین نے اپنے دامن تربیت میں استاذ ذوق علم پیدا کر دیا تھا کہ سن تمیز کو پہونچتے ہی ابو حیان کے دل میں شوق کی ایک بے چینی پیدا ہو گئی ارض عرب کے یگانۂ آفاق علماء نے عمدہ عمدہ درسگاہیں کھول رکھی تھیں جن کے فیض تعلیم سے ایک اس پایہ کا نامور نحوی پیدا ہو سکتا تھا جسے آنے والی نسل علامہ ابو حیان کے نام سے جانے گی۔

تحصیلِ نحو:

ابوالحسن ابدی، ابوجعفر بن زبیر ابن صائغ، ابوجعفر لیلی اس دور کے نامور معلمِ درس اور مستند نحوی تھے انہیں کے فیضِ تلمذ سے علامہ ممدوح نے علم نحو میں کمال حاصل کیا۔

تحصیلِ قرأت:

جب نحو سے فراغت ہوئی تو علم قرأت کیطرف توجہ کی۔ قرأت ایک خاص علم ہے جس کو علماء ہند نے خدا جانے کیوں پچھپار کھا ہے۔ اس کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ عرب کے مختلف قبائل نے کن کن مختلف طریقوں سے قرآن مجید کو پڑھا قدماء اس فن کے لیے بڑی محنتیں کرتے تھے اور ان کی اصطلاح میں قرأت صرف اس کا نام نہ تھا کہ حروف معمولی طور پر مخارج سے ادا کر دیئے جائیں۔ ان دنوں غرناطہ میں علم قرأت کے استاذ ابو محمد عبدالحق تھے جن کی دور دور شہرت تھی۔ علامہ ابو حیان نے ان کی شاگردی اختیار کی اور تمام اختلافات قرأت اور گذشتہ قاریوں کے مذاہب مختلفہ کے ساتھ قرآن کے بیس دور خطیب صاحب کے سامنے پورے کئے اس کے بعد مشہور خطیب غرناطہ حافظ ابو جعفر غرناطی کی جو ابن الطباع کے لقب سے مشہور تھے اور جو علم قرأت میں یگانۂ عصر تسلیم کئے جاتے تھے جا کے شاگردی کی اور اپنے آپکو درجہ کمال پر پہونچایا۔ لیکن پھر بھی اطمینان نہ ہوا۔ خطیب حافظ ابوعلی حسین بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سورۂ فاتحہ سے سورۂ حجر تک ان کو قرآن سنایا تب جا کے یقین آیا کہ اب مجھے ساتوں قرأتوں پر صحیح طور پر اور تحقیق کے ساتھ عبور ہو گیا ہے۔

تحصیلِ حدیث:

قرآن سے متعلق تمام باتوں سے فراغت ہوئی تو علم حدیث کا شوق ہوا۔ اس علمی فن کے شوق نے ایسا از خود رفتہ بنا دیا اور بے خود کر دیا کہ بارہا وطن مالوف چھوٹ گیا جہاں اور جس سرزمین پر حافظ حدیث کا نام سنا سامان سفر تیار کیا اور اس کی خدمت میں حاضر ہو کے احادیث حاصل کیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ ابو حیان نے صرف حدیث

حاصل کرنے کے لئے ساڑھے چار سو ائمہ حدیث کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔

تحصیل فقہ:

قرآن و حدیث دونوں میں تبحر ہو گیا تو علم فقہ کیطرف توجہ کی چنانچہ اس فن کے لئے شیخ علم الدین عراقی کے سامنے زانوئے تلمذتہہ کیا پھر اصول فقہ، فن منطق اور علم الکلام کے کچھ مسائل استاذ ابو جعفر بن زبیر سے حاصل کئے چنانچہ امام غزالی کی کتاب مستصفی اور قدیم نامور علامہ باجی کی کنارہ واشارہ دونوں اسی یگانۂ عصر کے حلقہ درس میں حاصل کیں۔ اس کے بعد زیادہ حصہ علم منطق کا علامہ بدر الدین محمد بن سلطان بغدادی کے فیض افادات سے حاصل کیا۔

تدریس:

ان اساتذہ کی خدمت میں تعلیم حاصل کرتے وقت علامہ ابو حیان نے ایسی سرگرمی اور محنت و جانفشانی سے کام لیا کہ اپنے اساتذہ کے عہد میں اعلیٰ درجہ کے کمال اور تبحر پر پہنچ گئے اور ایک بہت بڑے مدرس مشہور ہو گئے۔ ادب، قرأت، حدیث، تفسیر وغیرہ علوم کے حاصل کرنے کے لئے شائقان علوم عموماً اطراف اسپین اور اکثر افریقہ دایشیار وغیرہ سے آکر ان کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے۔ ان کے تلامذہ میں سے اکثر مقبولیت عامہ کے درجہ کو پہونچے۔ ساتویں صدی کے اکثر مشاہیر ان کے شاگرد ہیں۔ جس طرح علامہ ابو حیانؒ نے اپنے اساتذہ ہی کے عہد میں علمی ناموری حاصل کرلی تھی، اسی طرح ان کے شاگردوں کو خود انھیں کے عہد میں شہرت و ناموری حاصل ہوئی۔ ان کے تلامذہ میں صلاح الدین صفدی ہیں جو دنیا کے مشہور و معروف امام ہیں۔ جن کا نام غالباً تمام اہل علم کو معلوم ہے نہایت فخر و مباہات کے ساتھ علامہ موصوف کی شاگردی کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنے استاذ ابو حیان کی تعریف میں فرماتے ہیں:

لم ارشی اشیاخی اشتغالا منہ لأنی
لم ارہ قط الا یسمع او یشتغل
أو یکتب لم ارہ علی غیر ذالک

یعنی میں نے اپنے اساتذہ میں ابوحیان سے زیادہ کسی کو علوم و فنون میں مشغول نہیں پایا۔ اسلئے کہ ان کو میں نے سوائے اس کے کہ وہ مسائل علمیہ کو دیگر اساتذہ سے سن رہے ہوں یا تصنیف و تالیف میں مشغول ہوں اور کسی کام میں مشغول کبھی دیکھا ہی نہیں۔

علامہ ابوحیان نے اپنے درس کو چند کتابوں میں محدود کر دیا تھا۔ چنانچہ کہ "الکتاب" اور ابن مالک کی تسہیل اور اپنی تصنیفیات کے سوا اور کوئی کتاب نہیں پڑھاتے تھے نحو کی مشہور کتاب "مقدمہ ابن حاجب" بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس کے بارے میں اکثر کہا کرتے تھے ھٰذہ نحو الفقہاء۔ یہ تو اہل فقہ کی نحو ہے۔

زبان میں لکنت؛

علامہ ابوحیان کی زبان میں کسی قدر لکنت بھی ہمارے پنجابی احباب کیطرح اہل اسپین کے لہجہ میں یہ نقص تھا کہ "قاف" کو اس کے مخرج سے ادا نہیں کر سکتے تھے بلکہ وہ "قاف" کی جگہ "کاف" بولتے تھے اس اثر سے اسپین کا باشندہ گو وہ ماموریت کے اعلیٰ درجہ پر پہونچ کر علامہ ابوحیان ہو گیا ہو کیونکر بچ سکتا تھا مگر اس کے باوجود یہ کمال بھی تھا کہ نقص صاف گفتگو کرتے وقت ظاہر ہوتا تھا۔ لیکن جب قرآن کی تلاوت کرتے یا حدیث وغیرہ پڑھتے تو اس وقت قاف اپنے اصلی مخرج سے ادا ہوتا تھا اور کوئی تمیز بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جو بات چیت کے وقت "قاف" کو "کاف" بولتے ہیں۔

مخالفت اساتذہ اور بخل؛

ابوحیان کی لائف میں دو باتیں ایسی ہیں جن کے خیال سے ان مرحوم کی وقعت اور عالی ظرفی پر حرف آسکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے درجہ تکمیل اور مرجعیت پر پہونچکر خود اپنے بعض اساتذہ سے مخالفت کی صاف مخالفت ہی نہیں بلکہ ان پر سخت الفاظ میں حملے کئے۔ دوسرے یہ کہ ان کے مزاج میں بخل اعتدال سے بہت زیادہ تھا۔

اول یہ کہ ابوحیان جس طرح اپنے اساتذہ کے ساتھ پیش آئے اس کی تفصیل یہ ہے کہ عنفوان شباب ہی میں تمام علوم و فنون میں تبحر ہو جانے کیوجہ سے ابوحیان میں ایک دعویٰ پیدا ہو گیا تھا۔ اور اس دعویٰ نے یہاں تک ترقی کی کہ خود اپنے اساتذہ ابوجعفر بن

طباع اور ابن زبیر سے بھڑ پڑے جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ بعض صحبتوں اور محفلوں میں انہوں نے دونوں اساتذہ کی لغزشیں اور غلطیاں ثابت کیں اس کی خبر جب ابن طباع اور ابن زبیر کو پہونچی تو ان کو بہت افسوس ہوا بلکہ انہوں نے ناعاقبت اندیشی یا بے صبری سے ابو حیان کو بہت کچھ برا بھلا کہا اور ان کی بعض تصانیف پر اعتراض کیا اور ان کی بعض روایات کو غلط ثابت کیا۔ جب ان عمر رسیدہ لوگوں سے ضبط نہ ہو سکا تو ابو حیان کی جوانی کا جوش کب ماننا تھا فوراً مشتعل ہو گئے۔ اور ابن زبیر کی روایات کو غلط ثابت کرنے میں تصانیف کا سلسلہ شروع کر دیا اور ابن طباع کے رد میں بھی ایک کتاب لکھ ماری جس کا نام "الالماع" رکھا ان تصانیف نے دونوں استادوں کی آتش غضب کو نہایت مشتعل کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن طباع امیر محمد بن نصر کی خدمت میں دوڑے گئے جو اس وقت کے صاحب اختیار رؤسا میں تھے۔ ابو حیان کی شکایت کی۔ ادھر ابن زبیر نے ان سے بھی زیادہ کارگزاری کی وہ یہ کہ شاہ اسپین کی خدمت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی تحریر کی کہ ابو حیان نے نالائقی سے اس طرح میرے حقوق تلف کر دیئے اور یوں میری عداوت پر آمادہ ہو گیا۔ بادشاہ کو ابن زبیر کی بہت کچھ مراعات منظور تھی اور کیوں نہ ہوتیں ابن زبیر ملک کے قدیم ناموروں میں تھے۔ الغرض اس عرضداشت کے پہونچتے ہی حسب ضابطہ ابو حیان کی گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری ہوا۔ جب اس وارنٹ کی خبر ابو حیان نے سنی تو اسکے سوا اور کچھ نہ بن پڑا کہ وطن کو خیرباد کہنا پڑا۔ وہ سبزہ زار جن کا شوق عربوں کو یورپ میں لے گیا تھا اور وہ عمارت جن کا حلیہ ہمیشہ تاریخوں کے صفحات پر نظر آنے لگا تھا۔ دل پر جبر کر کے سب کو رخصت کیا اور ملک مصر کی راہ لی۔ راستہ میں شہر "فاس" پڑا۔ وہاں تین روز قیام کر کے مشہور مقتدائے عصر ابوالقاسم غرقانی کی صحبت سے بہرہ یاب ہوئے پھر جہاز پر سوار ہو کر سواد مصر میں داخل ہوئے۔

دوم ان کے بخل کا یہ حال تھا کہ مجالس میں بیٹھ کر بخل کی تعریف کیا کرتے تھے درہم و دینار کی تعریف میں ان کے اکثر اشعار بھی مشہور ہیں جن میں کہیں فرماتے ہیں کہ "جو پیسہ میری تھیلی میں گرفتار ہوا اسکی مجھ سے امید رکھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بانجھ عورت سے

بجھ کی امید رکھے۔ شیخ کمال الدین ادفوی کہتے ہیں کہ خود ابو حیان کہتے تھے کہ "میں جب مؤثر اور جذبات کو حرکت میں لانے والے اشعار سنتا ہوں۔ تو ان کا بہت زیادہ اثر میری طبیعت پر پڑتا ہے۔ جن شعر میں عاشقانہ جوش ہوتا ہے وہ مجھے فوراً ایک بیتاب عاشق بنادیتا ہے، جرأت و بہادری اور رجزیہ اشعار سنتا ہوں۔ تو میں فوراً ایک بہادر اور جانباز سپاہی بن جاتا ہوں۔ مگر خدا جانے کیا بات ہے کہ فیاض لوگوں کی سخاوت وجود وکرم کے اشعار سنکر مجھ پر اثر نہیں ہوتا۔ ممکن نہیں کہ ایسے اشعار سناکر اور ایسے پر اثر تذکرے کرکے کوئی مجھ سے ایک پیسہ بھی لے سکے۔ خادم کی رائے میں ہم ان روایات کا قطعی اعتبار نہیں کر سکتے اس لئے کہ شیخ ادفوی تو کوئی مستند شخص نہیں دوسرے ان کے خیالات بعض مذہبی وجوہ سے ابوحیان کی نسبت اچھے نہیں ہیں۔

ترک وطن:

اس بخل نے تو کوئی نقصان نہیں پہونچایا مگر اساتذہ کی مخالفت ایک ایسی چیز تھی کہ علامہ کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اور ۶۶۸ھ میں انہوں نے مصر کی راہ لی علامہ نے اسپین سے بادشاہ محمد ثانی غرناطہ کے عہد میں کوچ کیا۔ بلکہ اسی سال جب شاہ محمد نے شاہ کیٹل کو بہت بڑی شکست فاش دی اور عیسائیوں کو قتل کیا۔ مگر ابو حیان کے ترک وطن پر علامہ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں کہ خود ابوحیان نے اپنی کتاب "نضار" میں اس سفر کا کچھ اور ہی سبب بیان کیا ہے لکھتے ہیں۔

"میں نے جو شہر غرناطہ کو چھوڑا اس کی ایک قوی وجہ یہ تھی کہ سرزمین اسپین میں ایک بہت بڑا نامور اور مشہور فلسفی تھا۔ اس کی زندگی امور خلافت کے دریافت کرنے میں گذر گئی تھی جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا اور اسے یقین ہوگیا کہ میں بہت دنوں تک زندہ نہ رہوں گا۔ تو وہ بادشاہ وقت محمد ثانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی زندگی حکمت وفلسفہ کے رموز نکات دریافت کرنے میں بسر کردی اب میں زندگی کے آخری لمحات میں ہوں اور افسوس معلوم ہوتا ہے کہ جو رموز میں نے مدت العمر میں دریافت کئے ہیں وہ میرے ہی ساتھ ختم ہوجائیں گے، لہٰذا یہ بادشاہی کی طرف سے تمام اطراف اندلس میں اطلاع دیدی جائے کہ جو کوئی عالم ہو فوراً حاضر ہو تاکہ میں اُن لوگوں کو اپنے خیالات اور اجتہادات فلسفہ بتادوں

اور ان سب کو اپنا شاگرد بنا کے دنیا سے نامور اور نیک نام ہو جاؤں۔ بادشاہ نے یہ رائے پسند کی اور تمام علمائے اسپین طلب کئے گئے یہں خاص دار الخلافت غرناطہ میں تھا۔ سب سے قبل میری طلبی ہوئی اور سلطنت کے دباؤ سے میں نے اس کی شاگردی پر نہایت ندامت معلوم ہوئی۔ اور اس ندامت نے اس قدر مجھ پر غلبہ کیا کہ مجھے اپنی زندگی تنگ معلوم ہونے لگی۔ بالآخر آزادی نے میرے دل میں جوش مارا اور میں نے وطن کو خیرباد کہدیا اور افریقہ کی راہ لی۔

قیام مصر اور تحصیل قرأت!

بہر حال جس طرح ہوا۔ علامہ ابو حیان نے اسپین کو چھوڑ دیا اور ایک مدت "اسکندریہ" میں رہے یہاں شیخ عبد النصر بن علی بن یحیٰ موجود تھے جو دنیا بھر میں علم قرأت کے امام مانے جاتے تھے۔ اور جنہوں نے اس امر خاص میں اپنے آپکو تمام دنیائے اسلام کا مرجع بنا دیا تھا۔ ابو حیان کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اور شیخ ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور از سر نو پھر قرأت کو حاصل کیا۔

اس واقعہ سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ ابو حیان نے اساتذہ سے اگر مخالفت کی تو وہ ناجائز نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اگر ان کو خود ستائی کا بے سبب دعویٰ تھا تو اسکندریہ پہونچکر اسی فن میں جس میں وہ پہلے کمال حاصل کر چکے تھے کیونکر اپنے آپ کو طفل مکتب بنا دیا اور شیخ عبد النصر کے آگے زانوئے تلمذتہ کیا۔ صرف شیخ عبد النصر ہی نہیں علامہ ابو حیان مصر کے ایک دوسرے استاد قرأت شیخ ابو طاہر اسمٰعیل کی خدمت میں بھی گئے اور ان کی شاگردی کو بھی فخر سمجھکر اختیار کر لیا۔

مصر سے روانگی؛

اس کے بعد علامہ ابو حیان ایک مدت تک سفر ہی میں رہے، مصر، عراق، شام، حجاز، یمن اور بلاد سوڈان اور بہت سے دیگر مقامات ایشیا کی سیر کی یہ سفر بھی صرف شوق علم میں ہی تھا۔ جہاں کسی استاذ فن، محدث، فقیہ، قاری یا کسی اور فن کے استاذ کا نام سن لیا۔ وہاں دوڑے گئے اور اس کا تلمذ اختیار کیا۔ ابو عبد اللہ محمد بن سعید کہتے ہیں کہ خود ابو حیان نے فرمایا!" جملۃ من سمعت منھم نحو من خمس مائۃ المجیزون اکثر من الف"!

یعنی وہ تمام لوگ جن سے میں نے درس سنا ان کا شمار تقریباً پانچسو ہے اور جن علماء نے مجھے اجازت دی

ان کا شمار ہزار سے زیادہ ہے۔

حدیث میں خصوصیت!

اس سیر و سیاحت اور علمی ذوق و شوق سے ابو حیان کو اتنا بڑا فخر حاصل ہوا جس کی قدر کسی محدث کے دل سے پوچھئے تو معلوم ہو ابو حیان کا شمار آٹھویں صدی کے علماء میں ہوتا ہے مگر ان کو تین حدیثیں ایسی ملیں جن کی روایت ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف آٹھ واسطوں سے پہونچتی ہے حقیقت میں یہ فخر ان کے لئے بہت بڑا تھا اور اس پر وہ جس قدر ناز کرتے زیبا تھا۔

ہم اپنے اہل حدیث دوستوں کے محفوظ کرنے کے لئے اس سند کو بھی نقل کر دیتے ہیں ابو حیان لکھتے ہیں کہا مجھ سے محمد بن احمد بن برید ہمدانی اور مونسہ بنت ملک العادل ایوب بن شادی ان دونوں نے سنا ابو الفرج اسعد بن سعید بن روح سے انہوں نے روایت کی فاطمہ جوزجانیہ بنت عبداللہ بن احمد سے انھوں نے سنا ابوبکر محمد بن ریذہ ضبی اصفہانی سے انہوں نے حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر لخمی طبرانی سے انھوں نے عبداللہ بن رماحس قیسی سے سرزمین رملہ میں ۲۷۴ھ میں انہوں نے روایت کی ابو عمر زیاد بن طارق تابعی سے اسوقت جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ ہو چکی تھی کہا مجھ سے بیان کیا ابو جرول زہیر بن صرد جشمی نے جو صحابی ہیں کہ غزوہ حنین میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی تو لوگ مجھے گرفتار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے گئے میں آگے بڑھا اور نہایت رقت قلب اور التجا و عاجزی کے لہجہ میں آنحضرت صلعم کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھنے لگا۔ آنحضرت صلعم کے دل میں انتہا سے زیادہ رحم تھا۔ وہ قصیدہ سنکر آپکو رحم آگیا۔

دوسری سند:

ابو القاسم طبرانی تک تو اسی سلسلہ سے گئی ہے مگر طبرانی کے شیخ دوسرے ہیں یعنی طبرانی کہتے ہیں مجھے خبر دی جعفر بن حمید انصاری کہ میرے نانا عمر بن ابان مدنی نے مجھ سے بیان کیا کہ انس بن مالک نے مجھے رسول صلعم کے وضو کا طریقہ بتایا۔

تیسری سند: تیسری سند بھی طبرانی تک پہونچتی ہے اور اس کے بعد یوں ہے کہ طبرانی

نے روایت کی محمد بن زید بن احمد بن زید بصری سے انہوں نے دینار بن عبداللہ انس بن مالک کے غلام سے اور انہوں نے اپنے مولیٰ انس بن مالک سے انہوں نے کہا کہ رسولؐ نے فرمایا خوشخبری ہو اس شخص کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔

یہ تین سلسلے ہیں جن کے ذریعے سے ابوحیان کو صرف آٹھ ہی ذریعوں سے رسولؐ کی احادیث پہنچ گئیں۔ اس کے علاوہ محدثین میں علامہ ابوحیان کو ایک اور حیثیت سے بھی تخصیص ہے اکثر سندوں میں یہ طریقہ آیا ہے کہ بعض راوی اپنے آبا سے سلسلہ وار دو تین پشت تک روایت کر جاتے ہیں جس کو یوں کہتے ہیں کہ "عن ابیہ عن ابیہ عن ابیہ" اس قسم کا سلسلہ اور تمام سندوں میں تین ہی چار پشت تک گیا ہے۔

لیکن ابوحیان کو دو سلسلوں سے یہ روایت پہونچی ہے کہ آبار واجداد کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہے چنانچہ ان میں سے ایک سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک سلسلہ جس میں ابوحیان کے استاذ ابوالحسن بن ناصر ہیں اور وہ چند توسائط کے بعد شیخ رزق رش بن عبدالوہاب تمیمی سے روایت کرتے ہیں سند صرف بذریعہ آبار واجداد ہی کے رسولؐ تک اتنی پہنچ گئی ہے یعنی رزق رش کہتے ہیں میں نے پدر بزرگوار ابوالفرج عبدالوہاب سے سنا۔ انہوں نے اپنے والد ماجد ابوالحسن عبدالعزیز سے انہوں نے اپنے والد ابوبکر حرث سے انھوں نے اپنے والد اسد سے انھوں نے اپنے باپ لیث سے انھوں نے اپنے باپ سلیمان سے انھوں نے اپنے باپ ابوالاسود سے انہوں نے اپنے والد سفیان سے انہوں نے اپنے والد یزید سے انھوں نے اپنے باپ اُئینہ سے انھوں نے اپنے والد ھیثم سے انھوں نے اپنے والد عبداللہ سے جو کہ صحابی ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے سنا مسلمان لوگوں میں کوئی ذکر خیر نہیں چھوڑتا مگر یہ ان پر ملائکہ سایہ کرتے ہیں اور رحمت عام ہو جاتی ہے۔ اس سند میں بارہ روایتوں نے اپنے آبار واجداد سے روایت کی ہے ایسی سند میں حدیثیں کئی نصیب ہوئی ہیں۔ اور ابوحیان ان پر جس قدر فخر وناز کرتے زیبا تھا۔

اہل اسپین کے لئے نصیحت نامہ ؛

علامہ مقری مشہور مؤرخ فرماتے ہیں کہ استاذ ابوحیان نے جس وقت سرزمین اسپین سے مصر کی طرف کوچ کیا۔ اگرچہ وہ پوشیدہ طور پر سلطنت سے روپوش ہو گئے تھے۔ لیکن جب

وطن کے جوش نے انہیں اس امر پر آمادہ کر دیا کہ ایک نصیحت نامہ اور دستور العمل لکھ کر اہل وطن کے حوالے کر گئے تاکہ لوگ اس پر عمل کریں اور ہر قسم کی لغزشوں سے محفوظ رہیں مقری فرماتے ہیں کہ یہ نصیحت نامہ ابو الطیب بن علوان تونسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس نے ابوحیان کے تلامذہ کے مدارس میں تعلیم پائی تھی وہ نصیحت نامہ کتب تاریخ میں بلفظہ محفوظ ہے اس کا ہر لفظ ایک گراں بہا جوہر ہے اور ہر قاری اس کی دو چار سطور سے اندازہ کر سکتا ہے کہ ابوحیان کس پایہ کے عالم تھے دیگر علماء ایسا دستور العمل تیار کرنے میں کس حد تک عاجز ہیں۔

"مشائخ صوفیہ کی نسبت علامہ ابو حیان کی رائے"

یہ عجیب بات ہے کہ خود ممدوح مؤرخ اندلس کی تصریح کے مطابق استاذ ابوحیان کو مشائخ صوفیہ سے حسن عقیدت نہ تھا۔ بلکہ بعض مشائخ پر انہوں نے بہت کچھ رد و قدح بھی کیا ہے اور واقعی یہ شان اکثر محدثین میں پیدا ہو گئی اور عموماً پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس وصیت نامہ میں انہوں نے جس اصرار اور تاکید سے لوگوں کو مشائخ صوفیہ کی طرف متوجہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوحیان سے زیادہ کرامات اولیاء کا کوئی معتقد بھی نہیں ہے ایک اور مقام پر ابوحیان ابوتمام فقیہ سے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے ابوالحسن بن جالوت کی تربیت کی زیارت کا ارادہ کیا۔ اہل اسلام کے قبرستان میں گیا اس سے پیشتر چونکہ اور کبھی مجھے اس تربیت پاک کی زیارت کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور نہیں پہچانتا تھا کہ ان کی قبر کون ہے لہذا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ سب قریب ایک ہی طرح کی نظر آئیں۔ اور کسی طرح نہ معلوم ہو سکا کہ قطب الآفاق ابن جالوت کا مزار کون ہے کچھ دیر توقف کر کے میں مایوسی کے ساتھ پلٹا۔ دو چار ہی قدم چلا ہوں گا کہ ایک قبر سے آواز آئی" یا غالب تمشی ما زرتنی" اے غالب کیا ہم سے بغیر ملاقات کئے چلے جاؤ گے؟ ابوتمام کہتے ہیں یہ سنکر میں پھر پھرا۔ اور اس قبر کے پہلو میں جس سے آواز آئی تھی بیٹھ کر فاتحہ پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر میں شیخ مرحوم کے صاحبزادے آئے اور میں نے ان سے پوچھا شیخ ابن جالوت کی قبر کون سی ہے انھوں نے بتایا کہ جس کے برابر میں تم بیٹھے ہو۔ یہ سن کے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ آواز شیخ برحق کی ہی تھی۔

(باقی آئندہ)